Date of Publication : 16-12-2014 PRICE Rs. 3/-

POSTED AT N.D.P.S.O, New Delhi-01
ON 17-18 Dec. 2014 R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without PrepaymentU (C) 160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

# ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

22-28 December 2014
Issue: 48, Vol.:73

۲۲ تا ۲۸ دسمبر ۲۰۱۴ء
شمارہ نمبر: ۴۸، جلد نمبر: ۷۳

# مصحفی کے لسانی رویّے

پہلی قسط

ڈاکٹر الف ناظم
امن گیٹ، ابوبکر نگر
دیوریا-274001 (یوپی)

**مصحفی** نے امروہہ، آنولہ، ٹانڈہ، دہلی اور لکھنؤ میں زندگی بسر کی۔ لکھنؤ میں ان کی عمر کا سب سے زیادہ عرصہ (تقریباً 42 برس) بیتا۔ مصحفی کے کلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لکھنؤ اور دہلی دونوں کی زبان سے متاثر تھے، لیکن مصحفی اپنے اشعار میں بار بار دہلی کی زبان کو اہمیت دیتے ہیں اور اسی کو مستند مانتے ہیں۔ مصحفی نے مختلف طرزوں میں شعر کہے اور اساتذہ کی پیروی پر فخر ظاہر کیا۔ بعض اوقات ان سے برتری بھی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس عہد میں اساتذہ کی تقلید یوں بھی کوئی معیوب بات خیال نہ کی جاتی تھی۔ مصحفی ایک اچھے استاد تھے اور اس بات کا انھیں نہ صرف احساس تھا بلکہ وہ خود کو ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کے حربے

جرأت کے علاوہ ان کے استاد جعفر علی خاں حسرت پر بھی چھینٹ کسی:

بعضوں نے پھر تو شعر پہ حسرت کے یہ کیا
کیا دال سونٹھ بیچنے والے کی شاعری

جرأت کے بعد جس طرز کی سب سے زیادہ اور وسیع پیمانے پر پذیرائی ہوئی، وہ ناسخ کا طرز تھا۔ مصحفی نے چوں کہ اپنے عہد کے مقبول طرزوں میں شعر کہنے کی سعی کی، لہٰذا ناسخ کے طرز سے بھی وہ متاثر ہوئے۔ دیوان ششم ناسخ ہی کے طرز میں کہہ کر تیار کیا۔ مصحفی نے دیوان ششم کے مقدمے میں اس تقلید کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ناسخ نے عرصۂ قلیل میں ریختہ گویان سادہ کلام کے طرز پر خط نسخ کھینچ دیا تھا۔ آتش نے بھی اس راستے کو اختیار کیا اور میں نے اس دیوان کی اکثر غزلیں انھی کی طرز میں کہی ہیں۔

بھی استعمال میں لاتے رہے۔ یہ عمل دراصل لکھنؤ کے ماحول کی دین ہے، جہاں ان کا مقابلہ انشا اور جرأت سے تھا۔ لکھنؤ میں انشا و جرأت کے بہت شاگرد تھے۔ مصحفی بھی اس معاملے میں پیچھے نہ رہے چناں چہ شاگردوں کی ایک فوج مصحفی نے بھی تیار کی اور شاید اردو شاعری کی تاریخ میں سب سے زیادہ تعداد مصحفی ہی کے شاگردوں کی ہے۔ لکھنؤ میں جرأت کے طرز نے دھوم مچا رکھی تھی اور مقامی شعرا اس طرز کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ مصحفی نے اگرچہ جرأت کی شاعری کو "چوما چاٹی کی شاعری" کہا لیکن اپنی استادی کا سکہ بٹھانے کے لیے جرأت کی طرز میں بھی طبع آزمائی کی۔ اگرچہ وہ معاملہ بندی کی اس سطح تک نہ جا سکے جہاں جرأت پہنچ چکے تھے۔ مصحفی نے انھیں اپنا حریف جانا۔ مصحفی جرأت کی شاعری پر یوں طنز کرتے ہیں:

گر چہ چلا بھی ہووے تو بھی سوز کا ساہو
کس کام کی وگرنہ چوما چاٹی کی شاعری

ناسخ کے طرز میں غزلیں کہنے کے باوجود مصحفی نے یہی خیال ظاہر کیا کہ وہ دراصل سادہ گوئی کے گروہ سے ہی تعلق رکھتے ہیں اور ناسخ کے طرز میں غزلیں کہنے کی مجبوری بھی ظاہر کرتے ہیں۔

مصحفی بغیر شاگردوں کے لکھنؤ میں زیادہ دنوں تک نہیں ٹک سکتے تھے۔ چناں چہ انھوں نے شاگردوں کی تعداد بڑھانے پر بھی خصوصی توجہ کی۔ شاگرد مشاعروں میں میدان مار لیں، اس کے لیے انھوں نے موجودہ مقبول طرز کو اپنانے میں جھجک محسوس نہ کی۔ دوسرے اس زمانے میں مقبول طرزوں کی پیروی کرنے کا رواج بھی تھا۔ دیوان ششم (اردو) کے علاوہ مصحفی نے ایک دیوان فارسی نظیری نیشاپوری کے فارسی دیوان کے جواب میں تیار کیا۔ یہ مصحفی کی منکسر مزاجی تھی کہ انھوں نے ناسخ کی پیروی کا اعتراف کیا۔ دیوان ششم (اردو) کے مقدمے کی عبارت سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) بعض معاصر شاعر مصحفی سے حسد رکھتے تھے، کئی بار مقابلہ کیا، لیکن پیش نہیں لے گئے۔

(۲) ناسخ نے سادہ گو شاعروں کے کلام پر خط نسخ کھینچ دیا تھا۔ بہت کم عرصے میں ان کا طرز مقبول ہو گیا تھا۔

(۳) آتش نے ناسخ کے انداز کی پیروی کی۔ مصحفی نے بھی سادہ گو ہونے کے باوجود اس کے بعد مشاعروں میں شرمندگی نہیں اٹھائی بلکہ اکثر غزلیں انھی لوگوں کے انداز میں یعنی اس انداز میں جس کو ناسخ نے فروغ دیا تھا اور جس کی آتش نے تقلید کی، کہیں۔

(۴) چھٹے دیوان کی بیشتر غزلیں اسی انداز میں کہی گئی ہیں، یعنی یہ دیوان اس نئے طرز میں یا طرز ناسخ میں مرتب ہوا تھا۔

(۵) یہ تحریر ۱۲۲۳ھ کی ہے۔

(رشید حسن خاں، مقدمہ انتخاب کلام ناسخ، دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۹۳ء، ص ۲۳-۲۴)

لکھنؤ میں ناسخ کے طرز سے متاثر ہونے کے باوجود وہ زبان دہلی ہی کو مستند جانتے تھے اور سادہ گوئی کی طرف مائل تھے۔ دیوان ششم کی وہ غزلیں چھوڑ دیں جو بہ قول مصحفی ناسخ کے طرز میں کہی گئی ہیں، تو بلاشبہ ان کا تمام کلام سادہ گوئی سے عبارت ہے۔ تاثرات، احساسات اور جذبات کو سادہ و صاف زبان میں سادگی کے ساتھ بیان کرنا ہی ان کی اہم خصوصیت ہے۔ خود مصحفی نے جابجا اپنے اشعار میں اظہار کیا ہے:

اے مصحفی قدر مرغ بستاں ہرگز
رکھتا نہیں گو کہ ہو گیا ہو
الفاظ متین اور لطف لا لا کر
ہرگز نہ بنا تو رکھتے کو ہو

اوپر طرز یا اسلوب کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔ اسلوب اصل میں لسانیات ہی کی ایک شاخ ہے۔ اسلوب کے ذریعے ہم ادبی اظہار کے لسانی امکانات کا پتا لگاتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ادبی اظہار کی لسانی خصوصیات کیا ہیں۔ اس ضمن میں صوتیات، لفظیات، نحویات اور معنویات میں سے کسی ایک یا ایک سے زیادہ یا بیک وقت سبھی کو پیش نظر رکھ کر مطالعہ کر سکتے ہیں۔

کلام مصحفی میں علامت فاعل (نے) کا استعمال اگرچہ ملتا ہے لیکن بعض اوقات نہیں بھی کیا گیا ہے۔ مصحفی سے قبل مثلاً قائم، آبرو، یک رنگ وغیرہ کے یہاں کثرت سے نظر آتا ہے۔ مصحفی کے عہد میں اس کو ترک کرنا عیب نہیں گردانا جاتا تھا تاہم مصحفی کے دیوان ہفتم و ہشتم میں اس کو عموماً ترک نہیں کیا گیا ہے۔ چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

ع: میں جب آنکھ کھولی بہت رات تھی
ع: دیکھو تو اک تری خاطر میں کیا کیا ہی کچھ
ع: جس گھر میں بلایا میں اسے شب کو تو دشمن
ع: میں ہزاروں کو بھی مٹا دیا میں غبار کو بھی اڑا دیا

میر کے یہاں بھی علامت فاعل کو ترک کیا گیا ہے، مثلاً:

ہوا تھا میر مشکل عشق میں کام
کیا پھر جگر، تب کی دوا میں

'یہاں اور وہاں' کو مختلف صورت میں بھی پیش کیا جاتا تھا اور یہ صورت

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

# باقر مہدی

غلام گردش رضوی

اردو کے مشہور و ممتاز ادیب اور شاعر باقر مہدی پر غلام رضوی گردش کا یہ خاکہ نما مضمون اُن کے خاکوں کے مجموعے 'دیار خوش نفساں' میں شامل ہے، چوں کہ یہ تحریر بہت اہم اور دل چسپ ہے، اس لیے، اسے ہم گاہے گاہے باز خواں کے طور پر یہاں نقل کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

"دنیا میں آج تک بارہ عظیم شاعر پیدا ہوئے!" فراق گورکھپوری نے اپنی علمیت کا مظاہرہ کیا۔ باقر صبر و تحمل سے بیٹھے ہوئے تھے۔ "پہلا ورجل...!" فراق صاحب نے وضاحت شروع کی۔ "حضور!... بارہواں رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری!" باقر کی رگ پھڑکی اور وہ دست بستہ میدان میں کود پڑے۔ "آپ ذہین معلوم ہوتے ہو!" فراق صاحب نے اپنے چندیدے نچاتے ہوئے انھیں گھور کر دیکھا۔

---

جوش ملیح آبادی ایک محفل میں اپنی نظمیں بڑے طمطراق سے سنا رہے تھے۔ "واہ... وا... واہ... وا... لفظوں کے گھوڑے دوڑا دیے حضور نے!" باقر نے دونوں ہاتھ سرپٹ دوڑاتے ہوئے کہا، جوش کے اندر چھپا ہوا پٹھان طیش میں آ گیا۔

---

"اشتیاق...... آپ سے ملنے کی بڑی تمنا تھی!" پٹنہ میں کلیم الدین احمد کے آفس میں داخل ہوتے ہوتے باقر تقریباً چلا پڑے۔

"آپ بہت بدتمیز آدمی معلوم ہوتے ہیں!" کلیم الدین اچانک سے اکھڑ گئے۔

---

باقر کو اپنے رویے کا خود بھی احساس ہے:

میں جو بولوں تو ہر اک شخص خفا
اور خاموشی کو رسوا دیکھوں

انھوں نے یہ لطیفے ۱۹۶۶ء میں سنائے تھے۔ ان دنوں وہ بہت بھیانک (Violent) ہوتے تھے۔ اوسطاً بارہ گھنٹے روز مطالعہ کرتے اور کتابوں اور رسائل سے بھرے ہوئے کمرے میں اکثر دن بھر فرش پر پڑے رہتے۔ کبھی چت، کبھی پٹ، کبھی تکیہ سر کے نیچے کبھی پیٹ کے نیچے، کبھی پاؤں صوفے پر، کبھی پلنگ پر، کبھی اٹھے، کبھی قہقہہ، لیکن قہقہے ہر جذبے پر حاوی!

وہ ملاقات کرنے والوں کا مسکرا کر استقبال کرتے۔ جہاں تک ممکن ہوتا خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ لیکن اس کے بعد سوالوں کی بوچھار شروع ہو جاتی۔

"آپ نے سیموئیل بیکٹ کو پڑھا ہے؟ نہیں؟ گودو کو نہیں جانتے؟ آپ گودو کو نہیں جانتے؟"

"آپ نے میرو وبلز کو پڑھا ہے؟ نہیں؟ ارے، اس نے ہیملٹ سے ہوریشیو کو نکال دیا، آپ کو خبر نہیں، شیکسپیئر کو بدل دیا، بالکل بدل دیا؟"

"آپ نے چے گیورا کو پڑھا ہے؟ چے گیورا... چے گیورا... باغی... سرکش... وہ جنگلوں میں بھٹکتا رہا، پیڑوں کی پتیاں کھا کر زندہ رہا...؟"

"آپ نے تادیوز روزے ویک کو پڑھا ہے؟ پولش شاعر، اینٹی پوئٹک گروپ کا بانی، نہیں پڑھا، اس کو بھی نہیں پڑھا؟"

"اچھا، آپ نے جان جیمس کو پڑھا ہے... پوئیٹ لاریٹ... اُف... غضب ہو گیا؟" اور اگر مخاطب بالکل ہی کورا نکلتا تو باقر اپنا سر پیٹ لیتے، کبھی اچھل کر بیٹھ جاتے، کبھی بے چینی سے ٹہلنے لگتے، کبھی تکیہ کمرے میں اچھال دیتے، کبھی جلتا ہوا سگار جلدی سے بجھا دیتے، ایسا لگتا جیسے مخاطب کا منہ نوچ لینا چاہتے ہوں۔

"پڑھیے... پڑھیے... سب پڑھیے... بھوس بھریے!"

باقر نے خود بیکن کی طرح 'All Knowledge to my Province' کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے کتنے ہی معاصرین کی بنجر کھوپڑیوں میں بزعم خویش بھوس بھر دیا ہے۔

"دلی گیا تھا، بار میں ہم لوگ بیٹھے تھے، وہ بھی تھے (ان کا اشارہ سردار جعفری کی طرف تھا) جھگڑا ہو گیا، بیچ میں بخنون آ گیا ورنہ اس رات بہت برا ہوتا"۔ بخنون وہ غلام ربانی تاباں کو کہتے تھے۔

پھر وہ اپنی نظم 'چوپائی' سنا کر قہقہے لگا رہے تھے۔ "ایک دن شام کے وقت اختر الایمان سے ملنے گیا، معلوم ہوا سمندر کے کنارے ٹہل رہے ہیں، جا کر دیکھا، کتے کی زنجیر ہاتھ میں تھی، میں نے کہا حضور! آپ کتے کو ٹہلا رہے ہیں یا کتا آپ کو!" پھر قہقہہ کمرے میں گونجا، یہاں تک کہ انھیں کھانسی آ گئی اور وہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

"استاد خلیل کے چھوٹے سے کمرے میں دو پلنگ تھے، ایک پر وہ خود سوتے، دوسرے پر جاں نثار اختر اور بیچ میں زمین پر میں، رات میں اختر بھائی جب کھانس کھانس کر فرش پر تھوکنے لگتے تو میں ڈر کر ان کے پلنگ کے نیچے گھس جاتا، ایک دن باندرہ ان سے ملنے گیا تو پوچھا، اب آپ رات میں کھانستے نہیں؟ کہنے لگے نہیں! میں نے کہا اب آپ کیوں کھانسیں گے، فرش پر قالین جو بچھ گیا ہے، خراب نہیں ہو جائے گا؟" پھر وہی قہقہہ! میں سوچ رہا تھا کوئی نہ کوئی پڑوسی ضرور آ کر دریافت کرے گا کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ لیکن کوئی نہیں آیا۔ ایسا لگتا جیسے سب ایسی بے ہنگم آوازیں سننے کے عادی ہو چکے ہیں۔

باقر مہدی سے ملنے پر ایٹس (Yeats) کی نظم Nineteen Nineteen (۱۹۱۹ء) یاد آتی ہے:

آؤ کہ ہنسیں آج ان پر
مفکر تھے جو
ان کا بوجھ ڈھوتے پھرے ہر طرف
جان فشانی جو کرتے رہے عمر بھر
تاکہ مرنے پہ یادیں ہی زندہ رہیں
(فکر ان کو ہواؤں کے رخ کی نہ تھی!)
آؤ کہ ہنسیں آج ان پر
جن کو دانائی پر ناز تھا
وقت کے تند دھاروں کو دیکھا کیے ٹکٹکی
باندھ کر —
ان کی نظروں میں مایوسیوں کی جھلک
(بے نیاز وہ بیٹھے رہے)
بے خبر وہ بہار و خزاں سے رہے
آج حیرت سے تکتے ہیں خورشید کو!
آؤ کہ ہنسیں آج ان پر
نفس پاکیزہ جن کا رہا عمر بھر
راہبانہ تھا جن کا چلن
وہ تو تسکین کو کہتے تھے راہِ نجات
جب کر دیتے کئی ان کو تنہائیاں
سب چمن کی طرف چل پڑے
پھر ہواؤں سے سرگوشیاں بھی ہوئیں
سب کہاں کھو گئے۔ سب کہاں کھو گئے؟
آؤ خود پر ہنسیں۔ ہم بھٹکتے نہیں
ایسی راہوں پہ چلتے ہوئے
جن کا نیکی شرافت و سچائی سے ربط ہو
(کون جانے کہ ان کی حقیقت ہے کیا؟)
زندگی اپنی ہے کھوکھلا قہقہہ!
(ہوجم، ترجمہ گردش)

"کچھ سنا آپ نے؟ عینا آپا اور مقتدا حسین میں دوستی ہو گئی!" سکندر علی وجد کی طرف جھکتے ہوئے انھوں نے بڑے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟" وجد صاحب نے پہیلی بوجھنے سے معذرت کی۔

"ارے صاحب، ساحر لدھیانوی اور ندا فاضلی میں دوستی ہو گئی!" باقر نے بڑی معصومیت سے انکشاف کیا۔

ظ. انصاری ایک ادبی جلسے میں امیر خسرو پر تقریر کر رہے تھے، باقر نے جو اگلی صف میں بیٹھے ہوئے تھے، ایک کتاب کھول کر اپنا منہ چھپا لیا۔

"یہ آپ کی کیا حرکت تھی؟" ظ. انصاری نے تقریر کرنے کے بعد چپکے سے شکایت کی۔

"آپ کی تقریر تو 'خوفناک' کے لیے تھی، میرے لیے کب تھی؟" انھوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

فورٹ سے گزرتے ہوئے موسیقار خیام نے انھیں یوں ہی سلام کر دیا۔ "اب آپ کے حالات اتنے خراب ہو گئے کہ آپ مجھے سلام کرنے لگے؟" بس موقع ملتے ہی جملہ چپکا دیا۔

میں عزیز قیسی کا مجموعہ 'آئینہ در آئینہ' الٹا کر دیکھنے لگا۔ انتساب تھا "مختار سن، زہرہ کے نام"۔ باقر نے "مختار سن" کے گرد پنسل سے گول بنا کر اور پھر ایک ایرو کھینچ کر اپنا ریمارک لکھ دیا تھا "لفظ کو نقارہ بنا کر استعمال کرتے ہیں!"

جعفری نے ندا کو گفتگو کی ملازمت سے برطرف کر دیا، دوسرے دن وہ سفید براق کپڑے پہنے ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ "یہ پہلا دودھ ہے جو مکھی سے نکالا گیا!" باقر اسے دیکھ کر چلا اٹھے۔

"میں آپ پر ریسرچ کرنا چاہتا ہوں!" پٹنہ کے ایک طالب علم نے انھیں لکھا۔

"کیا تضیع اوقات کے لیے کوئی دوسرا کام نہیں ہے آپ کے پاس؟" باقر نے غریب کو کڑا سا جواب دے دیا۔

میں نے ان کی ملازمت کے سلسلے میں سوال کیا۔

"کہیں جال کو بھی کوئی گرفتار کر سکتا ہے حضور؟" ان کی آنکھوں میں شریر سی مسکراہٹ تھی۔

"پیراہن شرر کا مطلب سمجھے آپ؟" جعفری کے شعری مجموعے کی اشاعت کے بعد انھوں نے پوچھا۔

"جی نہیں!" میں نے تذبذب کے عالم میں جواب دیا۔

''عبدالعلیم شرر کی شیروانی!'' وہ پھر کھلکھلا کر ہنس رہے تھے۔

''کچھ سنا آپ نے؟ شاہ ایران نے مسلسل اور کنگ لیئر کو بین (Ban) کر دیا کیوں کہ ایک میں بادشاہ مارا جاتا ہے، دوسرے میں پاگل ہو جاتا ہے، عراق کی فٹ بال ٹیم جب جیت جاتی ہے تو ہر کھلاڑی کو ایک ایک کار دی جاتی ہے اور علامہ کہتے ہیں... ہرق گرتی ہے تو بیچارے... کیوں نہ گرے حضور؟''

اس کھنڈرے پن اور سرکشی کے باوجود باقر کے پاس ایک باشعور ذہن اور دردمند دل ہے۔ ان کے قہقہے ان کے لیے دوا ہی معلوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مجھے یہ علم ہے میرے سنے لطیفوں میں
ادای چپکے سے جملوں کو موڑ دیتی ہے
اسی لیے مری باتوں میں تازگی کے ساتھ
وہ اضطراب مسلسل جھلک ہی پڑتا ہے

---

نگر میں خوف کی زنجیر توڑنے کے لیے
ہنسی کو ڈھونڈتا رہتا ہوں ہر اداسی میں
(تمہارے نام پھر اپیلا خط)

خود باقر کو اپنے قہقہوں اور آنسوؤں میں ایک ربط باہمی کا احساس ہے:

ہیولی آرام کرسی پر ــ دراز
ایک زخمی روح
ہنستے ہنستے رو پڑی
قہقہوں اور آنسوؤں میں ایک فطری
ــ ربط ہے
(ایک زخمی روح)

باقر قصبہ رودلی، ضلع بارہ بنکی کے ایک اعلا خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ۱۹۴۹ء میں بی اے اور لکھنؤ یونیورسٹی سے ۱۹۵۱ء میں معاشیات میں ایم اے کیا۔ پھر کچھ دن ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد تلاش روزگار میں بمبئی آ گئے۔

میں نے باقر کو پہلی بار ۱۹۵۵ء میں دیکھا، پستہ قد، بیضوی چہرہ، گورا رنگ۔

''نیم تجاہل
موٹے شیشے میں چھپی
اشنویا کی آنچ میں جلتی ہوئی آنکھیں''
(سیلف پورٹریٹ)

ان دنوں باقر نہایت خاموش اور سلیم الطبع تھے۔ کچھ کہنا بھی ہوتا تو بہت دھیرے سے کہتے۔ ایسا محسوس ہوتا جیسے دنیا سے سخت ناراض ہوں اور ساری زندگی خاموش رہنے کی ٹھان لی ہو۔ یہ دور باقر کی گھٹن (Repressions) کا تھا۔

''کس طرح اپنی بغاوت ــ قہقہے
جینے کی لگن ــ تپ
درد ــ غصے کو
لفظوں، رنگوں اور لکیروں میں بدل دوں؟
(سیلف پورٹریٹ)

وہ زمانہ ان کی پریشانیوں کا تھا۔ انتہائی کس مپرسی کی حالت میں اکثر وہ سارا دن بالی بی بی کر بمبئی کے کتب خانوں میں گزارا کرتے۔

میرا اے بے نام پیارے سرکش
میری بکل جواں رکھتی ہے سرکش کا لہو!
(ایک نوحہ)

مارچ یا اپریل ۱۹۶۲ء میں مجھے پہلی بار ان سے گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ لکھنؤ میں اولڈ کافی ہاؤس کے برآمدے میں شام کے وقت وہ حسن شمیر اور مجھ سے ٹکرا گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہم لوگ لال باغ کے اس مکان میں تھے جہاں ۴ اور ۵ دسمبر ۱۹۵۵ء کی درمیانی شب میں مجاز بے ہوش پائے گئے تھے۔ وہاں سے اٹھ کر ہم لوگ قیصر باغ کے امپائر ہوٹل میں آ گئے۔

''لکھنؤ آتا ہوں تو مجاز بہت ہانٹ (Haunt) کرتا ہے لیکن اب اس کی شاعری اچھی نہیں لگتی!'' باقر ہوٹل کی پہلی منزل سے بار بار سڑک کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بات دہراتے رہے۔ ان کے ذہن کے ریکارڈ کی سوئی جیسے یہیں پھنس گئی ہو۔

باقر بمبئی واپس چلے گئے۔ چار پانچ سال کے بعد میں ان سے لیڈرس پرلیس رہائش والے گھر میں ملا۔ وہ پہلے سے زیادہ صحت مند اور خوش تھے۔ انھیں اپنی ''ہمزی'' (حیدر انصار) کا پیار مل چکا تھا۔ ان کی گھٹن بھی قدرے ختم ہو چکی تھی اور وہ اس وقت تک ہیزلٹ (Hazlitt) کی طرح اپنے بیشتر ہم عصروں سے جھگڑا مول لے چکے تھے:

ہم کیوں کسی دکاں سے حقیقت خریدتے
جب لوگ گھر کو توڑ کے بازار کر گئے
آنکھوں کو اپنی شاخ میں رونے کو گھر سے
یوں احتجاج کچھ نے انتشار کر گئے

''کالے کاغذ کی نظمیں'' کی اشاعت ہو چکی تھی جس پر تبصرہ کرتے ہوئے ''شکتی'' کے مدیر شمس کنول نے لکھا تھا:

''کتاب کا کاغذ سفید ہے''۔۔۔ حالاں کہ خود باقر کا نقطۂ نظر مختلف تھا۔ رنگوں کو ڈھونڈ لانے علامت کے جال سے کالے سے لال رنگ کا انتخاب کرگئے

ان ملاقاتوں میں باقر نے کبھی میر کا ذکر نہیں کیا، انیس کا بھی حوالہ نہیں دیا، ہاں غالب سے انھیں عقیدت تھی۔ اقبال کو علامہ یا کنگوئی کہتے تھے۔ جوش کا نام سن کر کسی نٹ کھٹ بچے کی طرح مسکراتے تھے لیکن یگانہ چنگیزی شیطان کی طرح ان کے سر پر سوار تھے۔ اٹھتے وقت یگانہ، بیٹھتے وقت یگانہ، سوتے وقت یگانہ۔

فسردہ ہوں میں یگانہ کے شعر پڑھ کو سنا
میں ڈوبتا ہوں سر شام سے، بچا مجھ کو
مرے قلم سے مرا نام لکھ کے کاٹ بھی
مری کتاب جلا کر ذرا دکھا مجھ کو
میں ایک چیخ ہوں طوفاں سے لڑتا آیا ہوں
ہوا کے برق پہاڑوں پہ اب گرا مجھ کو

''لیجیے... مجبوری پیجیے!'' انھوں نے چار مینار سگریٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''چار مینار'' کو وہ ''مجبوری'' کہتے تھے۔

مری نیند کاغذ پہ سوتی رہی
مرا خواب، سگریٹ میں جل کر گیا
میں رات رات جلوں سگرٹوں کی راکھ بنوں
میں خواب خواب اترا کر بار بار کروں

''پیلا ہاتھی...!'' اچانک انھوں نے ایک زوردار سا قہقہہ مارا۔ ''آپ جانتے ہیں میراجی کون سا سگریٹ پیتے تھے؟ پیلا ہاتھی... جب پیسے ختم ہو جاتے تو سگریٹ کا خالی پیکٹ کتب جارچوں کے آفس میں بھجوا دیتے۔ کتب پیکٹ میں نوٹ رکھ کر اسے چپراسی سے واپس کروا دیتے!'' ''چائے پلا سکتا ہوں لیکن دودھ نہیں ہے، لیموں کی چائے، آپ پسند کریں گے؟'' ان کے لہجے میں خلوص تھا۔ ''بہتر ہے!'' میں نے کہا۔

''کل رات آپ نے بہت پی ہے؟'' چائے بناتے ہوئے انھوں نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا، پھر مسکرانے لگے۔

کیا ڈھونڈتے ہیں شام کو شیشے میں روز روز
کیوں تشنگی میں خود کو گرفتار کر گئے

اب وہ فراق پر اپنا مضمون سنا رہے تھے جس میں انگریزی ادبیات کے حوالے دے کر انھوں نے ثابت کرنا چاہا تھا کہ فراق کا بہت سا مال تو ادھار نہیں بلکہ سرقہ ہے۔

''آپ ٹھہرے کہاں ہیں؟'' باقر نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ ''سامان؟'' انھوں نے دوسرا سوال بھی کر دیا۔ میں سوچنے لگا آخر وہ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ ''کوئی بات نہیں، سامان کی کیا ضرورت ہے؟ نظیر اکبر آبادی نے غلط کہا ہے۔ سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ۔ بنجارہ کے پاس اب لادنے کے لیے کچھ نہیں رہا!

بمبئی کے ادیبوں اور شاعروں کی بات چھڑ گئی۔ ''اختر الایمان پانچ روپے روز پر منشی تھے مومن سبھکل کے پاس، میں ان دنوں ۲۱- آرکیڈیا میں رہتا تھا، مجھے ٹی بی ہو گئی، اسپتال میں داخل تھا، اختر صاحب ایک دن عیادت کے لیے آئے، کہنے لگے، پانچ روپے ہیں، اس میں سے جو چاہو لے لو، اب تو حضور، دروازے پر گورکھا رہتا ہے!'' انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا اور گھر میں پلی سفید بلی کو گود میں اٹھا کر چمکارنے لگے۔

باقر راجندر سنگھ بیدی کا بہت احترام کرتے ہیں۔ کرشن چندر کی جب بات ہوتی ہے تو چپ سادھ لیتے ہیں یا ان کے دو ور جن افسانوں کے نام ایک سانس میں گنوا دیتے ہیں۔ مجروح کی شاعری بھی انھیں اچھی نہیں لگتی۔ میں نے خواجہ احمد عباس کا ذکر چھیڑ دیا۔ ''میں صرف ایک اخبار نہیں پڑھتا، اور وہ ہے بلٹز!'' ان دنوں 'بلٹز' میں عباس کا مستقل کالم آخری صفحہ شائع ہوتا تھا۔

باقر کے کمرے میں ان کی ایک تصویر آویزاں ہے۔ جس میں گھٹنوں سے لے کر پاؤں تک کا 'کلوز اپ' (Close up) ہے۔ بچھوؤں کی نہریاں چڑھی ہوئی ہیں۔ پس منظر میں سمندر کا کنارہ ہے اور پاؤں کے پاس جھاگ۔ ''یہ تصویر جو آپ دیکھ رہے ہیں اسے میں اپنی کتاب میں شائع کروں گا، قارئین مصنف کی بھدی صورت ہی کیوں دیکھیں حضور! اس کے پاؤں کیوں نہ دیکھیں؟'' وہ پھر کسی شریر بچے کی طرح کھلکھلا کر ہنس رہے تھے۔

اشک۔ سورج کی کرنیں اڑائے گئیں
دو تھکے پاؤں، ریچ کی شاخ کے پاس اوگی
جڑیں بن کے
کرم جیرانی ماحول میں جل گئے رنگ گئے!
(قطرہ قطرہ تیزاب)

باقر بڑے ہی ضدی اور حاسد واقع ہوئے ہیں۔ ضد تو فطرت ثانیہ ہے لیکن حسد یوں کہ ان کی رائے کو اہمیت دیے بغیر کسی فنکار کو آخر عظیم کیوں تسلیم کر لیا گیا؟ اب غالب وہ اس کی عظمت کے خود بھی لاکھ قائل ہوں لیکن جناب اینٹھ جائیں گے!

باقر قہقہوں کی اوٹ میں اپنے حساس دل کو چھپائے رکھتے ہیں لیکن اگر اس پر چوٹ پڑ گئی تو تلملا اٹھتے ہیں۔ نیا سال شروع ہونے والا تھا۔ ظ انصاری نے اپنے گھر پر ایک پرتکلف پارٹی کا اہتمام کیا۔ عین وقت پر باقر کو معلوم ہوا کہ پارٹی میں ریاستی حکومت کے چند وزرا بھی شرکت کر رہے ہیں اس لیے انھوں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ رات کے ٹھیک بارہ بجے لیڈرس پرلیس کے گھر فون کی گھنٹی بجی۔ ظ انصاری نے نئے سال کی مبارک باد دیتے ہوئے کہا: ''تمھارے حصے کی شراب رکھی ہوئی ہے، ہمیں اب بھی تمھارا انتظار ہے!'' لیکن حضور والا ٹس سے مس نہیں ہوئے۔

قطرہ قطرہ جم گئے لمحے ہزار
سرد ہو کر مرگئی باتوں کی دھار
یوں تو ملنے کو بھی ملتے ہیں پر
بند دروازے سے ملے کیوں خاکسار

''اسد لمحات، میں ایک نظم ہے 'کرم کتابی'، اس کا موضوع شاید آپ ہی کی ذات ہے؟'' باقر نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ ان دنوں اختر الایمان سے بھی ٹھنی ہوئی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے مسلسل میاؤں میاؤں کرتی ہوئی سفید بلی ان کا منہ چڑا رہی ہے۔

باقر کی پراگندگی کا یہ عالم ہے کہ کبھی داڑھی رکھ لیتے ہیں، کبھی منڈا دیتے ہیں، کبھی سگار پیتے ہیں، کبھی سگریٹ، کبھی رات بھر جاگتے ہیں، کبھی دن بھر تان کر سوتے ہیں، کبھی بیئر پیتے ہیں کبھی ٹھرا، کبھی مکتبہ جامعہ میں روز نظر آتے ہیں، کبھی مہینوں غائب!

حقیقت یہ ہے کہ عظمت اللہ خاں، عبدالرحمن بجنوری، ن۔ م۔ راشد، میراجی اور اختر الایمان کے بعد باقر مہدی نے اردو نظم کو نئی جہت عطا کرنے میں نمایاں رول انجام دیا ہے۔ انھوں نے معاشرے کے کھوکھلے پن پر بھرپور وار کیا اور عہد کے چھپے نشتر سماج کی رگوں میں پیوست کر دیے ہیں (فاشزم، فیشن پریڈ، کھجراہو کی ایک شام)۔ اپنی تلخ نوائی کے باوجود انھوں نے چند خوب صورت رومانی نظمیں بھی کہی ہیں (ایک سنہری شام) لیکن ان کے فن کا جادو اس وقت سر چڑھ کے بولنے لگتا ہے جب وہ فلسفیانہ تلخ پر نقد سرا ہوتے ہیں۔ (ٹوٹے شیشے کی آخری نظم)۔

باقر کی انگریزی میں ندرت اور شگفتگی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

# اردو دُنیا

## تلنگانہ میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا موقف

### کلکٹریٹ میں اردو ٹائپسٹ اور جونیئر ٹرانسلیٹر کے تقرر کے احکام

حیدرآباد (۲۶ نومبر)۔ چیف منسٹر تلنگانہ مسٹر کے چندر شیکھر راؤ نے اردو کو دوسری سرکاری زبان کے موقف کے متعلق کیے گئے سوال کا تحریری جواب دیتے ہوئے بتایا کہ حکومت ریاست میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دے رہی ہے۔ انھوں نے ضلع واری اساس پر تفصیلات فراہم کرتے ہوئے کہا کہ ریاست تلنگانہ کے ۹ اضلاع حیدرآباد، نظام آباد، رنگاریڈی، میدک، عادل آباد، محبوب نگر، ورنگل، کریم نگر اور نلگنڈہ میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا موقف حاصل ہے اور اس سلسلے میں جی او ایم ایس نمبر 545 بتاریخ 21-12-1999 موجود ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور جی او تقررات کے متعلق 335 بتاریخ 7-11-2007 موجود ہے جس میں ہر ضلع کلکٹریٹ میں ایک ٹائپسٹ کے عہدے کو اردو ٹائپسٹ اور ایک سینئر اسسٹنٹ کو جونیئر ٹرانسلیٹر کے طور پر تقرر کرنے کے احکام دیے گئے ہیں۔ مسٹر کے چندر شیکھر راؤ نے مجلسی ارکان اسمبلی کی جانب سے پوچھے گئے سوال کا یہ تحریری جواب دیا۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

## اردو ٹیچروں کی کمی کی وجہ سے ہزاروں طلبہ اردو کی تعلیم سے محروم

### دلی کے سرکاری اسکولوں میں اردو اساتذہ کی تقرری جلد سے جلد کی جائے

نئی دہلی (۸ دسمبر)۔ مشرقی دہلی کے مشہور سماجی کارکن جناب فرقان انصاری کی رہنمائی میں 'ہندوستان جن کلیان سیوا سنستھا' کی طرف سے خوریجی خاص میں اردو کے تئیں بچوں میں دل چسپی پیدا کرنے کے لیے ایک تقریب منعقد کی گئی جس میں گھونڈلی وارڈ کی کونسلر محترمہ عشرت جہاں، دلی اسٹیٹ حج کمیٹی کے چیئرمین ڈاکٹر پرویز میاں نے شرکت کی۔ اس موقعے پر محترمہ عشرت جہاں نے کہا کہ اردو کے تئیں مسلم بچوں میں پائی جانے والی مایوسی کو ختم کرنے کے لیے یہ سنستھا بہت اچھا کام کر رہی ہے، اس کو بڑھاوا دیا جانا چاہیے اور ہماری مانگ ہے کہ ایم سی ڈی اور دلی سرکار کے اسکولوں میں اردو ٹیچروں کی خالی جگہوں کو جلد سے جلد پُر کیا جائے۔ دلی اسٹیٹ حج کمیٹی کے چیئرمین ڈاکٹر پرویز میاں نے اس موقعے پر کہا کہ ہزاروں مسلم بچے سرکاری اسکولوں میں اساتذہ کی کمی کی وجہ سے اردو پڑھنے لکھنے سے محروم ہو رہے ہیں، اب ہمیں اردو کی تعلیم کے تئیں لوگوں کو بیدار کرنے کے لیے آگے آنا ہوگا تاکہ مسلم سماج میں اردو کا وجود قائم رہ سکے اور زیادہ سے زیادہ مسلم بچوں کو اردو پڑھنے لکھنے کا موقع مل سکے۔ ہندوستان جن کلیان سیوا سنستھا کے سرپرست جناب فرقان انصاری نے کہا کہ ہم اپنی اس مہم کے ذریعے حکومت دلی اور عوام کا دھیان اس طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ دلی کے سرکاری اسکولوں میں اردو ٹیچروں کی تقرری جلد سے جلد کرائی جائے تاکہ اردو پڑھنے والے طلبہ اس زبان سے محروم نہ رہیں اور ساتھ ہی اُن کا جذبہ اور لگاؤ اس زبان کے ساتھ بنا رہے۔ اس موقعے پر محترمہ عشرت جہاں اور ڈاکٹر پرویز میاں کے ہاتھوں کرشنا نگر اسمبلی حلقے کے بھی سرکاری اسکولوں کے تقریباً 200 غریب اور پس ماندہ طلبہ و طالبات میں اسکول بیگ، کاپیاں اور ٹیفنز بطور انعامات تقسیم کیے گئے۔

(صدائے وطن۔ دہلی)

## اردو مدارس کی خالی اسامیوں پر تقرر کی یقین دہانی: چیف منسٹر

حیدرآباد (۱۳ نومبر)۔ چیف منسٹر تلنگانہ مسٹر کے چندر شیکھر راؤ نے آج اسمبلی میں یہ یقین دلایا کہ حکومت اردو میڈیم مدارس میں خالی اسامیوں کو پُر کرے گی۔ ایوان میں رکن اسمبلی اکبرالدین اویسی کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے چیف منسٹر نے کہا کہ اردو میڈیم مدارس میں خالی اسامیوں پر عنقریب تقرر عمل میں لائے جائیں گے۔ تمام تفصیلات حاصل کرنے کے بعد حکومت اس تعلق سے فیصلہ لے گی۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ حکومت مسلمانوں اور اردو زبان سے جڑے تمام مسائل کی یکسوئی کے تعلق سے بہت سنجیدہ ہے۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

## اردو کے ساتھ انصاف کرنے کا مطالبہ

گلبرگہ، کرناٹک (۲۷ نومبر)۔ مولانا ناصر احمد (سابق صدر بلدیاتی کمیٹی سٹی میونسپل کارپوریشن گلبرگہ) نے اپنے صحافتی بیان میں کرناٹک کے چیف منسٹر سدرامیا سے مطالبہ کیا ہے کہ حیدرآباد کرناٹک علاقے کے اضلاع میں اردو زبان کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دے کر اردو زبان کے ساتھ انصاف کریں۔ انھوں نے کہا کہ ۱۹۴۸ء تک اردو حیدرآباد کرناٹک میں سرکاری زبان تھی، لہٰذا اردو زبان کو اس کا مستحق مقام دیا جائے۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

## انٹرمیڈیٹ اردو میڈیم سال اول کی نصابی کتابیں دستیاب

حیدرآباد (یکم دسمبر)۔ انٹرمیڈیٹ اردو میڈیم سال اول کے طلبہ کے لیے اکنومکس، سوکس، تاریخ، کامرس، اکاؤنٹینسی، اخلاقیات و انسانی اقدار کی درسی و نصابی کتابیں شائع کر دی گئی ہیں۔ بورڈ آف انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن آندھرا پردیش کے ایک پریس نوٹ کے مطابق اسپیشل آفیسر (اردو) مسز عابدہ سلطانہ کی نگرانی میں بورڈ آف انٹرمیڈیٹ نے متذکرہ بالا نصابی کتابوں کا اردو ترجمہ تیار کیا ہے اور اردو اکیڈمی کی مالی اعانت کے ساتھ اشاعت عمل میں آئی ہے۔ اردو زبان میں انٹرمیڈیٹ سال اول کی یہ نصابی کتب اب بازار میں دستیاب ہیں۔ علاوہ ازیں آندھرا پردیش اردو اکیڈمی، چوتھی منزل حج ہاؤس، نامپلی اور اردو گھر واقع موتی گلی خلوت پر بھی دستیاب رہیں گی۔ بورڈ آف انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن کے سکریٹری کے دفتر سے جاری اس پریس نوٹ میں تمام کالجوں کے پرنسپل، اساتذہ، طلبہ اور سرپرستوں سے خواہش کی گئی ہے کہ وہ اس سہولت سے استفادہ کریں۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

## ایجوکیشن آفیسر کا رویہ اردو اساتذہ کے تئیں اچھا نہیں

### ریجنل اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن علی گڑھ کا الزام

علی گڑھ (۱۱ دسمبر)۔ ریجنل اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن علی گڑھ کے صدر حاجی اے۔ سمیع خاں کی قیادت میں اردو اساتذہ کے ایک وفد نے وزیر اعلا اتر پردیش کے نام ان نکاتی عرض داشت ضلع مجسٹریٹ کو پیش کی جس میں کہا گیا ہے کہ ضلع ایجوکیشن آفیسر کا رویہ اردو اساتذہ کے تئیں اچھا نہیں ہے۔ ضلع بھر میں سیکڑوں اردو پڑھنے والے طلبہ اردو تعلیم سے محروم ہیں، جہاں ابھی تک اردو اساتذہ کا تقرر نہیں کیا گیا ہے۔ عرض داشت میں کہا گیا ہے کہ ضلع کے متعدد افسران اردو کی ترقی میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ حاجی اے۔ سمیع خاں نے کہا کہ اے بی ایس اے کی پالیسی صوبائی حکومت کی پالیسیوں کے برخلاف ہے۔ اردو طلبہ کے ساتھ سوتیلا برتاؤ ہو رہا ہے۔ انھیں نہ تو کتابیں مہیا کرائی جا رہی ہیں اور نہ ہی اساتذہ مقرر کیے جا رہے ہیں۔ اردو میں اسکولوں کے نام بھی نہیں لکھوائے گئے ہیں۔

ایسوسی ایشن کے ریجنل سکریٹری حاجی احمد سلطان نے بتایا کہ عرض داشت میں کہا گیا ہے کہ اردو اساتذہ کی تقرریوں اور تبادلوں میں بدعنوانی عروج پر ہے۔ کئی معاملات میں لاپروائی برتی گئی ہے، وہیں معذور امیدواروں کو کاؤنسلنگ میں شامل نہیں کیا گیا۔ انھوں نے عرض داشت میں وزیر اعلا کو مطلع کرایا ہے کہ حکومت کی جانب سے سال کے بیسٹ ٹیچر کے لیے سرکار نے محکمے سے جو درخواستیں مانگی تھیں اس میں علی گڑھ کے ایک ٹیچر کی فائل بھی تھی اور ان کو اعزاز بھی ملنا تھا، لیکن اے بی ایس اے نے اس فائل کو نہ تو بھیجا اور نہ ہی اس پر کوئی کارروائی کی۔ اس طرح کی باتوں سے محسوس ہوتا ہے کہ ضلع کے افسران اردو اور اساتذہ کے ساتھ غلط رویہ اپنائے ہوئے ہیں۔ یاد رہے کہ اس معاملے میں ممبر اسمبلی حاجی ضمیر اللہ خاں نے بھی بیسک تعلیم آفیسر کو کارروائی کرنے کی ہدایت کی تھی، لیکن اس کے باوجود بھی کوئی عمل نہیں ہوا۔ عرض داشت پیش کرنے والوں میں حاجی اے۔ سمیع خاں، حاجی احمد سلطان، راشد محبت، مسعود عالم اور حاجی مرزا اسرار بیگ کے نام قابل ذکر ہیں۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

## اردو میڈیم امدادی مدارس کا معائنہ

محبوب نگر، تلنگانہ (۲۳ نومبر)۔ مرکزی و ریاستی حکومت کے باہمی تعاون سے جاری تعلیمی اسکیم سرو شکشا ابھیان کے اسٹیٹ پروجیکٹ ڈائرکٹر گوپال ریڈی کی ہدایت کے مطابق ایس ایس اے کے ریاستی عہدیداران آج صبح اپنے ایک روزہ دورے پر محبوب نگر پہنچے جہاں انھوں نے ایس ایس اے سے تعاون حاصل کرنے والے دینی مدارس اور اردو میڈیم سرکاری مدارس کا تفصیلی معائنہ کیا اور دفتری ریکارڈس کی تنقیح کی۔ انھوں نے مذکورہ مدارس میں طلبہ کی تعداد اور طلبہ کے لیے بنیادی سہولیات کی فراہمی کے علاوہ باورچی خانہ وغیرہ سے متعلق تفصیلی جائزہ حاصل کیا، بعد ازاں انھوں نے مدارس کے انتظامیہ اور ودیا والینٹیرس کو ہدایت دیتے ہوئے کہا کہ طلبہ کی حاضری اور ان کو معیاری تعلیم کے ساتھ ساتھ قوت بخش تغذیہ کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔ انھوں نے ایس ایس اے کے مقصد کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ایس ایس اے کا مقصد تعلیم سے ناآشنا بچوں کو ہر صورت حصول تعلیم کا موقع فراہم کرنا ہے اور اس خصوص میں کسی قسم کی کوتاہی یا لاپرواہی ناقابل قبول ہوگی بلکہ ایسے اداروں کے خلاف تادیبی کارروائی کرتے ہوئے فوراً سے بیشتر امدادی سہولیات کو مسدود کر دیا جائے گا۔ عہدیداروں نے محبوب نگر کے بیشتر دینی و اردو میڈیم سرکاری مدارس بشمول دارالعلوم عربیہ محبوب نگر للبنات کے علاوہ اطراف و اکناف کے منڈل اور دیہاتوں میں موجود مدارس کا معائنہ کیا۔ اس موقعے پر اسٹیٹ اے ایم او اردو محترمہ آمنہ بیگم، اسسٹنٹ اے ایم او اردو محمد نجم الدین، ناظم مدرسہ مولانا حافظ فیض الدین نقشبندی وغیرہ موجود تھے۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

## اردو ٹیچروں کی اسامیوں کو منظور کرنے کا مطالبہ

نظام آباد (۲۲ دسمبر)۔ حکومت تلنگانہ ٹیچرس کے تقرر کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دے رہی ہے، جس کے بعد ٹیچرس اہلیتی ٹسٹ اور ڈی ایس سی امتحان کو علاحدہ یا یکجا کرنے کے لیے غور و خوض کیا جائے گا۔ ریاست کے ٹیچرس کی نمائندہ تنظیم پی آر ٹی یو کے قائدین خواجہ معین الدین، سید احمد بخاری، اسرار احمد، عارف الدین اور افضل بیگ نے بتایا ہے کہ ریاست تلنگانہ کے سیکڑوں اسکولوں میں اردو کی ہزاروں اسامیاں منظور ہیں۔ اردو اسکولوں میں مستقل ٹیچروں کے نہیں ہونے سے طلبہ معیاری تعلیم حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ ان قائدین نے بتایا کہ ریاستی حکومت ایک اندازے کے مطابق 13 ہزار خالی اسامیاں بتا رہی ہے۔ ریاست تلنگانہ کے کئی پرائمری اسکولوں میں ایک بھی مستقل ٹیچر موجود نہیں ہے اور کئی سرکاری، ضلع پریشد ہائی اسکول ایسے ہیں جہاں پر مضمون واری ٹیچرس کی شدید کمی ہے جس سے طلبہ کی تعلیم پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں جب کہ ریاستی حکومت تعلیم پر خاص توجہ دینے کے لیے کروڑہا روپے خرچ کر رہی ہے۔ ان قائدین نے مزید بتایا کہ وہ اس خصوص میں سابق ٹیچرس ایم ایل سی موہن ریڈی سے نمائندگی کریں گے کہ ریاستی حکومت اردو میڈیم ٹیچرس کی نئی اسامیوں کو منظور کرتے ہوئے ڈی ایس سی ۲۰۱۵ء ٹیچرس کے تقرر کا اعلامیہ جاری کرے۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

## حکومت اردو مترجمین کی تعیناتی کرے

اناؤ، یوپی (۲۳ دسمبر)۔ حکومت قانونی رکاوٹوں کو دور کرکے معلم اردو اور اردو مترجمین کی تعیناتی کرے۔ یہ بات آج لکھنؤ کے عالم دین مولانا خالد رشید فرنگی محلی نے 'راشٹریہ سہارا' سے بات کرتے ہوئے کہی۔ وہ آج یہاں ایک ذاتی تقریب میں شامل ہونے آئے تھے۔ مولانا خالد رشید فرنگی محلی سے روزنامہ 'راشٹریہ' کے نمائندے نے مسلم مسائل پر بات کی اور انھوں نے بے باکی سے اس کا جواب دیا۔ انھوں نے حکومت کو مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ حکومت قانونی رکاوٹوں کو دور کرکے جلد معلمین اردو اور اردو مترجمین کی تعیناتی کرے۔ مولانا نے کہا کہ اردو کو روزی روٹی سے جوڑنے کا جو وعدہ ملائم سنگھ یادو جی نے کیا تھا اس کو پورا کیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ حکومت نے جس طرح ترقیاتی کاموں میں مسلم علاقوں کو 20 فیصد کا کوٹہ مقرر کیا ہے اسی طرح سرکاری ملازمین میں بھی 20 فیصد کا کوٹہ مقرر کرے۔ انھوں نے اردو مترجمین اور اردو اساتذہ سے کہا کہ وہ اردو کی ترقی کے لیے کام کریں جس سے اردو کو فروغ حاصل ہو۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

## اردو آبادی میں بھی بال واڑی اور آنگن واڑی مراکز قائم کرنے کا مطالبہ

حیدرآباد (۲۷ دسمبر)۔ تلنگانہ مائنارٹیز ایمپلائز سروس ایسوسی ایشن نے تلنگانہ حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ مسلم بستیوں میں رہنے والے لاکھوں اردو داں کم سن بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے مسلم اکثریتی گنجان بستیوں میں جلد سے جلد آنگن واڑی اور بال واڑی مراکز قائم کیے جائیں تاکہ مسلم بستیوں میں آباد لاکھوں اردو داں بچوں کے لیے بھی تعلیم کی راہیں ہموار ہو سکیں۔ صدر تی میپا مسٹر ایم اے فاروق احمد نے ایک بیان میں کہا کہ ایک طویل عرصے سے ریاست میں آنگن واڑی اور بال واڑی مراکز کام کر رہے ہیں اور ان مراکز سے لاکھوں بچوں نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا ہے اور بے شمار بچے اب اعلا تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ آندھرا کے حکمرانوں نے اس اسکیم میں اردو زبان کو شامل ہی نہیں کیا اور یہ مراکز صرف ایسے علاقوں میں کام کر رہے ہیں جہاں تلگو بولی جاتی ہے۔ ریاست تلنگانہ میں 32 ہزار مین آنگن واڑی مراکز اور 4000 منی آنگن واڑی مراکز کام کر رہے ہیں لیکن ان 36 ہزار مراکز میں اردو داں بچوں کے لیے ایک بھی مرکز قائم نہیں کیا گیا ہے۔ جناب ایم اے فاروق احمد نے کہا کہ اب جب کہ علاحدہ ریاست تلنگانہ تشکیل پا چکی ہے اور چیف منسٹر مسٹر چندر شیکھر راؤ نے ریاست میں اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا اعلان کیا ہے تو ایسے میں ضروری ہے کہ بنیادی سطح پر مسلم بستیوں میں اردو زبان میں بال واڑی اور آنگن واڑی ادارے قائم کیے جائیں۔ ٹی میپا کے قائدین شبیر احمد، ایم اے نعیم، عبدالقدیر خاں اور ڈاکٹر اے اے خان نے کہا کہ ایسی بستیوں میں جہاں اردو داں بچوں کی اکثریت ہے، ایسے بے شمار لوگ خصوصاً ایسی لڑکیاں موجود ہیں جو محض جذبہ خدمت خلق کے تحت بچوں کو پڑھانے کے مقدس کام سے دلچسپی رکھتی ہیں۔ آنگن واڑی اور بال واڑی اسکیم کے تحت ان کی مخلصانہ خدمات سے استفادہ کیا جانا چاہیے۔ اس طرح بچوں کی تعلیم کا بھی انتظام ہو جائے گا اور ان لڑکیوں کو بھی کچھ آمدنی کا ذریعہ ہو جائے گا۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

## اردو اساتذہ کی خالی اسامیاں فوری پُر کی جائیں

حیدرآباد (۲۷ دسمبر)۔ اردو میڈیم اسکولوں میں اساتذہ کی خالی اسامیوں کو فوری طور پر پُر کیا جائے، اردو میڈیم کے لیے علاحدہ ڈی ایس سی منعقد کیا جائے اور اردو اساتذہ کے تقرر کے لیے ایس سی، ایس ٹی طبقات کے لیے محفوظ اسامیوں کو غیر محفوظ قرار دے کر ان پر فوری تقرر کیے جائیں۔ جناب احمد بلعلہ رکن اسمبلی ملک پیٹ نے آج ایوان اسمبلی میں محکمہ تعلیم کے مطالبات زر پر بحث میں حصہ لیتے ہوئے ان خیالات کا اظہار کیا۔ احمد بلعلہ نے کہا کہ گزشتہ حکومتوں نے اردو میڈیم اسکولوں کے ساتھ ناانصافی کی ہے اور ۲۰۱۲ء کے ڈی ایس سی میں ابھی تک تقرر نہیں کیے گئے ہیں۔ اردو کی اسامیاں اسکولوں اور جونیئر کالجوں میں خالی ہیں، جو جونیئر کالجس قائم کیے گئے ہیں ان میں انفراسٹرکچر اور اسٹاف دستیاب نہیں ہیں۔ پرانے شہر میں موجود اردو میڈیم، انگلش میڈیم اسکولوں اور کالجوں میں اسٹاف کا تقرر کیا جائے۔ اسکولوں اور کالجوں کو اپ گریڈ کیا جائے اور اردو میڈیم کی تمام خالی اسامیوں پر تقرر کیے جائیں۔ (اعتماد۔ حیدرآباد)

## اردو کے ساتھ انصاف کرنے کا مطالبہ

گلبرگہ، کرناٹک (۲۷ دسمبر)۔ مولانا ناصر احمد (سابق صدر مالیاتی کمیٹی سٹی میونسپل کارپوریشن گلبرگہ) نے اپنے صحافتی بیان میں کرناٹک کے چیف منسٹر سدرامیا سے مطالبہ کیا ہے کہ حیدرآباد کرناٹک علاقے کے اضلاع میں اردو زبان کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دے کر اردو زبان کے ساتھ انصاف کریں۔ انھوں نے کہا کہ ۱۹۴۸ء تک اردو حیدرآباد کرناٹک میں سرکاری زبان تھی، لہٰذا اردو زبان کو اس کا مستحق مقام دیا جائے۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

## اردو نہیں آتی لیکن شاعری اچھی لگتی ہے: گورنر نرسمہن

حیدرآباد (۲۷ دسمبر)۔ گورنر ای ایس ایل نرسمہن جو اپنی خاموش مزاجی کے لیے شہرت رکھتے ہیں، آج اردو کی شیرینی اور کشش پر اپنے جذبات کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکے۔ شلپا کلا ویدیکا میں اپنی شریک حیات محترمہ ومالا نرسمہن کے ساتھ ٹورزم اور بیک تھیٹر فاؤنڈیشن کا افتتاح کرنے کے بعد گورنر نرسمہن نے اردو زبان اور تھیٹر پر اظہار خیال کے دوران اپنے خطاب سے ہٹ کر کہا کہ "مجھے اردو نہیں آتی لیکن میں یہ شیریں زبان سمجھ ضرور سکتا ہوں۔ یہ ایک پرکشش زبان ہے، بالخصوص اردو کی شاعری دل میں اتر جاتی ہے۔" گورنر نرسمہن نے پروگرام کے اختتام سے قبل اپنے دور کی مقبول و معروف فلم 'ہم دونوں' میں افسانوی گلوکار محمد رفیع کی آواز میں دیوآنند پر فلمائے گئے اس نغمے کے بول 'ابھی نہ جاؤ چھوڑ کر کہ دل ابھی بھرا نہیں' دہراتے ہوئے سامعین کو محظوظ کیا۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

## تلگو اخبارات کی طرح اردو اخبارات کو بھی اشتہارات دینا چاہیے

کرنول (۲۳ دسمبر)۔ جامعہ قمرالہدیٰ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی کرنول کے زیر اہتمام ڈاکٹر عبدالحق ایڈیڈ اردو اسکول میں اردو صحافیوں کے لیے تقریب منعقد کی گئی۔ اس موقع پر رکن اسمبلی حلقہ کرنول مسٹر ایس وی موہن ریڈی مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ انھوں نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اردو صحافت کی ترقی نہایت ضروری ہے۔ انھوں نے کہا کہ تلگو اخبارات کو جس طرح اشتہارات دیے جاتے ہیں اسی طرح اردو اخبارات کو بھی اشتہارات دیا جانا چاہیے۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ اردو صحافیوں کی معاشی ترقی کے اقدام کیے جائیں گے۔ انھوں نے کہا کہ شہر میں ایک اردو میڈیم جونیئر کالج قائم کیا گیا ہے، لیکن اس میں تدریسی عملے کا فقدان ہے۔ تدریسی عملے کی منظوری پر ہی طلبہ کی تعلیمی ترقی ہو سکتی ہے، دیگر صورت میں طلبہ کی تعلیم متاثر ہونے کا اندیشہ ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ تقسیم ریاست کے بعد ضلع کرنول میں اردو بولنے والوں کی آبادی کا بڑا حصہ ہے، ایسے میں مذکورہ یونیورسٹی کو ضلع کرنول ہی میں قائم کرنا چاہیے۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

## تلنگانہ کے ضلع کھمم میں بھی اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے

کھمم، تلنگانہ (یکم دسمبر)۔ ریاست تلنگانہ کے ۹ اضلاع میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے، لیکن اب حکومت ضلع کھمم کو بھی ان اضلاع کی فہرست میں شامل کرنے پر غور کر رہی ہے۔ تلنگانہ کے نائب وزیر اعلا محمد محمود علی اس سلسلے میں خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں اور ان کی کوششوں سے محکمۂ اقلیتی بہبود کی جانب سے یہ تجویز پیش کی گئی ہے، توقع ہے کہ اس سلسلے میں جلد فیصلہ لیا جائے گا کیوں کہ ضلع کھمم میں اردو بولنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے اور جہاں اردو میڈیم اسکولوں کی بھی کافی تعداد ہے۔ اس کے باوجود 2007 میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کے لیے جاری کردہ سرکاری احکام میں ضلع کھمم کو شامل نہیں کیا گیا کیوں کہ متحدہ آندھرا پردیش کے متعصبانہ رویے کی وجہ سے ضلع کھمم کو نظرانداز کیا گیا تھا، لیکن اب تلنگانہ کی تشکیل اور ٹی آر ایس کے برسراقتدار آنے کے بعد کھمم میں بھی اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کے لیے کئی گوشوں سے مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ ان خیالات کا اظہار جناب سید مصطفیٰ سمیع الدین نے کیا ہے۔ حیدرآباد، نظام آباد اور ورنگل کے کلکٹریٹ کے علاوہ دوسرے اضلاع میں اردو میں دی گئی درخواستوں پر کوئی توجہ نہیں دی جا رہی ہے اسی طرح کئی سرکاری دفاتر اور آر ٹی سی بسوں میں بھی اردو کے سائن بورڈ نہیں لکھے جا رہے ہیں۔ اردو کے کئی سرکاری مدارس کی حالت بھی کافی خستہ ہے اور ان اسکولوں میں بنیادی سہولتوں کی کمی ہے۔ کئی مضامین پڑھانے کے لیے اساتذہ بھی نہیں ہیں۔ اس تعلق سے فوری سنجیدگی سے غور کرنا ضروری ہے۔ 26 نومبر 2014 کو ایوان اسمبلی میں چیف منسٹر کے سی آر نے کہا کہ ریاست کے ۹ اضلاع میں اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دیا گیا ہے جہاں اس پر عمل آوری بھی کی جا رہی ہے۔ ان کی حکومت کا پہلا قدم تمام انگریزی میڈیم مدارس میں اردو کی لازمی تعلیم کا انتظام ہوگا جس کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں لیکن اس پر کب عمل ہوگا انتظار رہے گا۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

# نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : ادراک اور امکان کے مابین
مصنف : ڈاکٹر محمد کلیم ضیا
ضخامت : ۲۰۰ صفحات
قیمت : ۲۵۰ روپے
ناشر : اردو چیلی کیشنز، دولگاؤں روڈ امراوتی-1 (مہاراشٹر)
تبصرہ نگار : دیپک بدکی
deepak.budki@gmail.com

'ادراک اور امکان کے مابین' معروف شاعر ڈاکٹر کلیم ضیا کے تحقیقی اور تنقیدی مضامین کا دوسرا مجموعہ ہے۔ اس سے قبل ان کا پہلا مجموعہ 'نقطۂ نظر' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری لینے کے لیے بھی انھوں نے شاہ غلام حسین چشتی کے کارناموں کو موضوع بنا کر تحقیقی مقالہ لکھا تھا۔ زیر نظر کتاب میں 14 مضامین شامل ہیں جو مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک ڈور جو ان مضامین کو آپس میں باندھتی ہے وہ ہے اسلامی نقطۂ نظر سے ان کو پرکھنے کی کوشش۔ ایک جانب اردو کے نامور شعرا اور نثر نگاروں جیسے مولانا ابوالکلام آزاد، اقبال اور منٹو پر تحریر کی گئی نگارشات ہیں تو دوسری جانب ایسے قلم کاروں پر مضمون لکھے گئے ہیں جو دانش و ہنر کے باوجود شہرت سے محروم رہے جیسے حفیظ میرٹھی، عادل ناگپوری، عزیز بگھروی، خلیل فرحت کارنجوی اور سید ظہیر علی۔ ڈاکٹر کلیم ضیا نے مشترکہ تہذیبی شعور، 'علاقہ برار میں تبلیغی مہمات' اور 'ادب اطفال میں خواتین کا حصہ' کے عنوانات سے بھی تین مضامین تحریر کیے ہیں۔ ان مشمولات پر نظر ڈالنے سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اکثر و بیشتر قلم کار اسلامی شاعری یا نثر سے وابستہ تھے۔ 'عرض مصنف' میں مصنف نے موجودہ دور کے اردو دانشور طبقے پر اپنے تاثرات قلم بند کیے ہیں جو بحث طلب ہیں۔ ادب اور مذہب کے رشتے سے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر آج کل کی گلوبلائزیشن میں ہر طرف کی ہوائیں چلتی ہیں اور ہمارے ادب پر اثر انداز ہوتی ہیں جن کو روکنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ آج اردو نے بالکل اور دیگر جاپانی اصناف کو ایسے ہی جذب کر لیا ہے جیسے ماضی میں دوہا، قصیدہ اور مرثیہ کو، اور یہ دنیا اردو کی بقا کے لیے خوش آئند ہے۔

پہلے مضمون 'مشترکہ تہذیبی شعور، قومی شاعری اور تاریخ' میں مصنف نے مختلف ادوار میں اردو شاعروں اور ادیبوں کے یوگدان کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے خاص کر ہندوستان کی جنگ آزادی، قومی یک جہتی، مذہبی رواداری اور انقلابی سرگرمیوں کے حوالے سے۔ 'مولانا ابوالکلام آزاد اور ترجمان القرآن' میں مولانا کی حیات، طبیعت، عقیدے، افکار، قرآن فہمی اور سیاسی نظریے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ 'علاقہ برار میں تبلیغی مہمات' میں مضمون نگار نے مختلف سلاطین کے تحت اسلام کی تبلیغ، توسیع اور شرکا کی بے لوث کوششوں کو بیان کیا ہے۔ 'اقبال۔ مشاہیر اہل قلم کی نظر میں' میں مضمون نگار نے علامہ کی زندگی کی جھلکیاں، ملت اسلام میں ان کی قدر و منزلت، حیثیت، شاعری، فکر و فن، فلسفۂ خودی، اردو دنیا میں ان کی توقیر، تبلیغ دین میں ان کا حصہ، فن تحقیق سے واقفیت، نقادان اقبال کو جواب اور پیام انسانیت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ مجموعے کا اگلا مضمون 'ایک عہد، دو قوم و ملت... منٹو' ہے۔ اس مضمون میں بقول مضمون نگار منٹو کو مولوی صفت اور داعی اسلامی سکالر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر چونکہ وہ مسلم معاشرے میں پھیلی ہوئی توہم پرستی کے خلاف تھے اس میں پنپ رہی خرابیوں کا ازالہ چاہتے تھے اور تقسیم ہند کے بعد انھوں نے مسلمانوں کے مصائب کو اجاگر کیا، اس لیے انھیں مسلمانوں کا ہمدرد سمجھا گیا ہے۔ 'ادب الاطفال میں خواتین کا حصہ' میں ڈاکٹر محمد کلیم ضیا نے مہاراشٹر کی ان خواتین کا تفصیلی ذکر کیا ہے جو بچوں کا ادب لکھنے میں سرگرم عمل ہیں۔

حفیظ میرٹھی کو وہ اسلام پسند صبح جو اور امن پسند غزل گو شاعر مانتے ہیں جو دنیا کو جنت نشاں بنانے کے متلاشی ہیں۔ عادل ناگپوری نے غزل، قصیدہ، مثنوی، قطعہ اور رباعی میں طبع آزمائی کی۔ ان کی غزلوں میں بقول ڈاکٹر ضیا 'مضمون آفرینی اور قافیہ پیمائی کثرت سے ملتی ہے گو کہیں کہیں کچھ لغزشیں مثلاً مضامین کی تکرار اور جنسی تلذذ بھی ملتا ہے۔' عزیز بگھروی کے بارے میں ڈاکٹر محمد کلیم رقم طراز ہیں کہ وہ پانچ شعری مجموعوں کے خالق، مشاق اور حساس شاعر ہیں جو 'خالصتاً گمشدہ انسانی عظمتوں کی نہ صرف نشان دہی کرتا ہے بلکہ ان کی تلاش و جستجو اور حصولیابی کے بعد احیائی پر زور طریقے سے ان کو (implementation) (عملی جامہ پہنانا) بھی چاہتا ہے۔' اگلا مضمون خلیل فرحت کارنجوی سے متعلق ہے جن کے بارے میں ڈاکٹر ضیا فرماتے ہیں کہ وہ فطری، وسیع المطالعہ اور ذہین طباع شاعر ہیں، جنھوں نے غزلیں، نظمیں اور گیت کہے ہیں، چھوٹی اور سہل بحروں کا استعمال کیا ہے اور روایتی استعاروں کو نئے انداز میں پیش کیا ہے۔ سید ظہیر علی نے زیادہ تر آزاد نظمیں کہی ہیں، علامتوں کو خوب برتا ہے اور بقول ڈاکٹر ضیا 'ظہیر کی شاعری ایک منفرد کشتی لیے سیاحت ہے اور ان کے پس منظر میں ذہن کا تجربہ ہے۔'

زیر نظر مجموعے میں تین کتابوں کے جائزے بھی شامل ہیں جیسے باقر مہدی کی 'شعری آگہی' جس میں 1958 سے 1999 تک لکھے گئے دس شعرا کے کلام کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے مثلاً میرا اختر الایمان، شکیل، کشور ناہید وغیرہ۔ آخر میں معروف افسانہ نگار ساجد رشید کے افسانے 'ایک مردہ سر کی حکایت' کا تجزیہ شامل ہے۔ یہ افسانہ عصر حاضر کی دہشت گردی کے تناظر میں لکھا گیا ہے کہ کس طرح پولیس اور حکومت صورت حال سے نپٹ رہے ہیں۔ تجزیہ نگار کو ایسے افسانہ نگار سے اس بات پر اتفاق نہیں ہے کہ اس نے بالواسطہ مسلمانوں کو دہشت گردی کا ذمے دار ٹھہرایا ہے۔ تاہم اس افسانے کا تجزیہ بہت ہی عمدہ ہے۔ زیر نظر کتاب میں ڈاکٹر محمد کلیم ضیا نے اپنے خیالات اور اپنی ترجیحات کا کھل کر اور بے باکی سے اظہار کیا ہے۔ اردو تنقید کے میدان میں اس اہم اضافے کا خیر مقدم ہونا چاہیے۔

OOO

نام کتاب : بازی گر
مصنف : محمد قیوم میو
ضخامت : ۱۲۸ صفحات
قیمت : ۱۶۰
ناشر : محمد قیوم میو، 14/A، ایوب منزل تاج گنج، آگرہ-282001
تبصرہ نگار : امیر حمزہ
ameerhamzah033@gmail.com

محمد قیوم میو نے افسانوی دنیا میں اگر چہ بیس سال قبل قدم رکھ چکے تھے تاہم ان کا قلم مختصر افسانہ سے ہٹ کر طنز و مزاح کی جانب پھر گیا تھا اور طنز و مزاح کے میدان میں انھوں نے خوب کامیابی حاصل کی۔ مصنف نے افسانہ، طنز و مزاح کے ساتھ ادب اطفال میں بھی خدمت انجام دیا اور 'منھی گڑیا' کو بچوں کی دنیا میں متعارف کرایا۔ ان سب کے علاوہ مصنف صحافت کے پیشے سے وابستہ ہیں اور ایک کامیاب صحافی ہونے کے ناطے انعام و اعزاز سے نوازے بھی گئے۔ ان کی صحافتی زندگی کا ہی اثر ہے کہ مختصر افسانوں کی جانب ان کی توجہ مبذول ہوئی اور سادگی سے چلتے پھرتے چھوٹے چھوٹے واقعات کو اپنے افسانوں کا موضوع بناتے رہے اور معاشرے کے نکرا و چہرے کو ہمارے سامنے لاتے رہے۔

مصنف کے افسانوں میں بہت ساری خصوصیتیں نظر آتی ہیں، ان میں ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ افسانے کو حقیقت اور حقیقت کو افسانے کی شکل میں پیش کرنے کا ہنر بخوبی جانتے ہیں، جیسے افسانہ 'پر موشن' میں ہے۔ اس افسانے میں صورت حال یہ ہوتی ہے کہ پولیس والے ایک لڑکے کو پکڑ لیتے ہیں۔ گرفتاری کے بعد اس پر طرح طرح کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ حتی کہ کئی دھماکوں کا ماسٹر مائنڈ بھی قرار دے دیا جاتا ہے۔ اسی افسانے کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں: "لیکن صاحب! یہ بھلا گولیاں اور بم کیسے برسا سکتا ہے؟ یہ تو پیدائشی نابینا ہے، اعلا پولس افسر کے طوطے اڑ گئے۔"

مصنف کے مختصر افسانوں کے متعلق حقانی القاسمی اس کتاب کے شروع میں بطور تقریظ لکھتے ہیں: "ترسیل کے جدید ترین طریقے سے آگہی ان کی ہر کہانی میں نظر آتی ہے۔ ڈکشن، جملوں کی ساخت اور ادبی تکنیک کے استعمال میں بھی انھوں نے مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ ارنسٹ ہمنگوے کی طرح ان کے جملے مختصر ہوتے ہیں، چارلس اور دیل کے طرح طویل نہیں۔ ان کے یہاں امیجری، سمبالزم، تمثیل اور تجریدیت نہیں ہے۔ وہ سیدھے سادے بیانیہ انداز میں کہانیاں لکھتے ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ ان کے افسانے زبان و بیان کی سادگی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ایک خاص بات ان کے افسانوں میں یہ ہے کہ وہ کرداروں کو بہت ہی عمدہ طریقے سے پیش کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں کے اکثر کردار متوسط اور نچلے طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے اکثر افسانوں میں پیغام اور مقصدیت ظاہر ہے۔ ان کے افسانوں کے پڑھنے سے یہ اندازہ ہوا کہ مصنف پر کسی قسم کی ادبی تحریکوں اور رجحانات کا کوئی اثر نہیں ہے بلکہ مصنف کا قلم آزاد ہے۔

اس افسانوی مجموعے میں کل اکتیس (31) افسانے و افسانچے ہیں۔ اس مجموعے کا ہر ایک افسانہ اپنے مضمون اور پیغام کے لحاظ سے اہم ہے۔ ہمیں امید ہے کہ مصنف کی یہ کتاب بھی ان کی دوسری کتابوں کی طرح قبولیت حاصل کرے گی۔

OOO

## بقیہ: باقر مہدی

جس آنکھوں سے اوس، لگی برسنے جگنو
سانس کی بیل پہ الفاظ کی بوندیں چمکیں
(ایک عنبری شام)

سخت چٹانیں سوڈ توڑ کر
ہری ہری چڑیاں اتی ہیں
اور پھر آنسو کی برکھا
آشاؤں کے پھول کھلا کر رک جاتی ہے!
ہری ہری نظروں کی گھاس
دور دور تک لہراتی ہے
(پاگل پاگل نظمیں)

گھڑی گھڑی پھیلا وقت
پتیاں کیری، نرم جڑیں
ننھے ننھے ہاتھوں سے
کترکتر کر پھینک رہا ہے
(اسے بے خبر)

اگر میں خودکشی کر لوں یا مر جاؤں تو
تم مرثیہ ضرور کہنا، خواہ روایتی کیوں نہ ہو"
باقر نے ایک بار بہت ڈوبی ہوئی آواز میں مجھ سے کہا تھا۔

میں سوچتا ہوں باقر خودکشی نہیں کر سکتے، کیوں کہ ان کا ذہن جو ایسا سوچتا ہے، وہی ان کا محافظ بھی ہے
اور میں سوچتا ہوں وہ مر بھی نہیں سکتے کیوں کہ انھوں نے اب تک جو کچھ لکھا ہے وہ انھیں زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔

ذہن — آخری سین کا آخری تجربہ
بننے کی امید پر
بیرے، ویران، ذہنی بدن کا محافظ بنا
وصل کا — موت کا منتظر رہ گیا!
(قطرہ قطرہ تیزاب)

•••

◆◆◆◆◆

## بقیہ: مصحفی کے لسانی رویے

صفحہ ایک سے آگے

حال میر و مصحفی کے بہت بعد تک یعنی داغ و امیر تک قائم رہی، بلکہ داغ نے بھی اسے متروک قرار نہیں دیا:

ع: اب یاں سے جاتے مصحفی تاتوں کہاں
ع: یاں عقل فسوں ساز نے باتوں میں لگایا
ع: واں رہا اس کی آری کا عشق
ع: یک جا ناقتاں ہے یاں

کلام مصحفی میں اودھر، ایدھر، کیدھر، جیدھر — اُدھر، ادھر، کدھر، جدھر وغیرہ کا استعمال ہوا ہے جو مصحفی کے معاصرین کے یہاں بھی نظر آتا ہے۔ یہ الفاظ اس زمانے میں متروک نہیں ہوئے تھے بلکہ متروکات کی درجہ بندی باقاعدہ طور پر ناسخ کی اصلاح زبان سے تعلق رکھتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ متروکات کیا ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سلیم اختر نے اردو زبان و ادب کی مختصر ترین تاریخ میں لکھا ہے:

"جو الفاظ غیر فصیح قرار دے کر ٹکسال باہر کیے گئے، تخلیقی مقاصد کے لیے استعمال نہ کیے جانے والے ان الفاظ کو اصطلاح میں متروک الفاظ کہتے ہیں"۔

(سلیم اختر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۳، ص ۱۰۳)

آرزو لکھنوی نے متروکات کی تین قسمیں بیان کی ہیں: (۱) لفظ غلط ہو، (۲) غیر مانوس (۳) زائد ہو، وغیرہ۔ عہد مصحفی میں زبان اپنی ارتقائی منزلیں طے کر رہی تھی، اس لیے الفاظ میں رد و بدل کا عمل جاری تھا۔ خود مصحفی کے یہاں شروع کے دواوین میں جو متروکات نظر آتے ہیں وہ بعد کے کلام میں نہیں ملتے۔ اس کے باوجود کچھ متروکات ایسے ہیں جنھیں آج بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ کلام مصحفی سے مذکورہ الفاظ کی مثالیں درج کی جاتی ہیں:

ع: تو گیا ادھر گیا، یاں مصحفی نے اپنا خون
ع: یار مشتاقی نہیں کیا کیجیے کیدھر جائے

'لہو' اور 'لوہو' دونوں کا استعمال ملتا ہے، 'لوہو' بعد میں متروک قرار دیا گیا اور اب صرف 'لہو' ہی بولا جاتا ہے۔ مثالیں:

ع: بھال جو نکلے ہے لوہو سے بھری نکلے ہے
ع: اس خاک پر ہم اپنا لوہو بہا کے آئے

کبھو (کبھی)، کسو (کسی) وغیرہ کا استعمال مصحفی کے یہاں کم میر کے یہاں زیادہ نظر آتا ہے

ع: کبھو تک کے در کو کھڑے رہے، کبھو آہ بھر کے چلے گئے
ع: میں اور تمہی کا دیکھا نہ کبھو پانی ایک

کلام میر سے بھی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ میر نے کبھو اور کسو سے بہت کام لیا ہے۔ میر کے یہاں یہ لفظ ان کے لسانی مزاج کا حصہ ہیں۔ مثالیں:

ع: میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا
ع: کسو سے دل ہمارا پھر لگا ہے
ع: دل نہ تھا ایسی جگہ جس کی نہ سدھ لیجے کبھو

مصحفی کے دیوان ششم اور ہفتم میں زبان اور صاف نظر آتی ہے۔ ناسخ کی اصلاح زبان کی تحریک سے مصحفی متاثر تھے۔ جیسا کہ دیوان ششم کے دیباچے میں انھوں نے تحریر کیا تھا، دیوان ششم ناسخ سے متاثر ہو کر تیار کیا گیا تھا یہاں تک کہ ناسخ ہی کے طرح میں غزلیں کہیں۔

مذکورہ الفاظ مصحفی کے مقابلے میں میر و مرزا کے یہاں زیادہ استعمال ہوئے ہیں، بالخصوص میر نے تو ٹک سے بہت کام لیا ہے۔ لفظ 'ٹک' تھوڑا سا، ذرا سا، کچھ، کسی حد تک وغیرہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اب یہ متروک ہو چکا ہے۔ میر کے درج ذیل شعر میں تو سارا زور ٹک کی وجہ ہی سے ہے:

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

خانقہ کا تو نہ کر قصد ٹک اے خانہ خراب
یہی ایک رہ گئی ہے بستی مسلمانوں کی

سرسری مت جہاں سے جا غافل
پاؤں، تیرا پڑے جہاں ٹک سوچ

ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا ہے چراغ سحری کا

مصحفی کے یہاں لفظ 'ٹک' کی چند مثالیں جو ان کے یہاں کم ہی نظر آتی ہیں، درج کی جاتی ہیں:

ع: سنتا ہے اس طرف کو ٹک اے یار دیکھنا
ع: جس ٹک اک بار بھی صاحب سلامت ہوگئی
ع: کس طرف جاتے ہو ٹک تو ادھر آؤ صاحب

لفظ "تئیں" (کے لیے) کا استعمال عہد مصحفی میں عام تھا اور آج بھی یہ لفظ نثر و نظم میں نظر آتا ہے، اب عام نہیں رہا:

ع: جو تو تو آئے ہے کیا خوب فضا دی کے تئیں
ع: کل اس کے تئیں ہم نے جب آن میں دیکھا
ع: اس کے تئیں پیار سے ترا اُم کہا گیا

(یعنی اس کو تو پیار سے) یہاں 'تئیں' 'تو' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ع: کہنے کے تئیں یوں تو شاعر بھی موزوں ہیں
ع: مجلس جنگ اس کی اپنے تئیں رو میں نہیں

چند اور الفاظ جو اب متروک ہیں، یوں ہیں: وے / انکھڑیاں:

وے انکھڑیاں نظر آتی ہیں واں میرے تئیں
وو:

بیٹھتا خاک پر مری وو ہیں
ہووے / ہووں:

وو ہم سے جو شاکی ہے تو کو ہووے ولیکن
لیک:

لیک اے جان مری دل نہ لگا دل اپنا
آگو

کیوں نہ آگو ہی سب اسباب بہم کر رکھیں
کمیں:

وے بڑی کمیں ہے باقی کہاں میں جب تک تو

فارسی، عربی اور ہندی الفاظ کی جمع فارسی قاعدے کے مطابق بھی ملتی ہے، جیسا کہ اس زمانے میں اور اس سے قبل رواج تھا۔ عاشقاں، درویشاں، آنیاں، اٹھائیاں، بدلیاں، بے خبراں، کھٹیاں، شہیداں، رقیباں، عشق بازاں، ہم نفساں، بادہ کشاں وغیرہ۔ چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

باسلیقہ عاشقاں میں تھے رنگ خار کے ساتھ
عشق کنڈم نہ ہوئیں مینہ درویشاں چاک
کیا کیا خرابیاں کہ نہ در پیش آئیاں
اس کوچے کشتگاں کی نہ لاشیں اٹھائیاں
شام تک اس نے قباؤں پہ قبائیں بدلیاں
جب دل لگیں ہیں بڑھتے اور روتیں کھٹیاں ہیں

کلام مصحفی میں بعض لفظوں کی تذکیر و تانیث توجہ طلب ہے، مثلاً سچا پچھ، بن وغیرہ مونث استعمال ہوئے ہیں جب کہ فضا، جان وغیرہ مذکر:

دیویں گے جان اپنا ہم تیرے آستاں پر
کیا فضا باغ کا ہے جان مری ایسے میں

جان اور بلبل میر کے یہاں بھی مذکر استعمال ہوئے ہیں:

اس دم تئیں مجھ میں بھی اگر جان رہے گا
گل و بلبل بہار میں دیکھ

مصحفی کے کلام میں ہر طرح کے الفاظ کا گزر ہے۔ روزمرہ کے تو بے شمار الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ روزمرہ الفاظ کی صورتیں بگڑی ہوئی ہیں کہ ان کے معنی تک رسائی کرنا دشوار ہو جاتا ہے، البتہ جو واضح ہیں ان کی مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے:

بگانے (بگانے)، مہمانی کھانا (کسی کے یہاں مہمان ہونا)، کنکارنا (خون کے اعلان کے ساتھ)، چوترا (چبوترا)، پہاند (کودنا)، پچھو (پیچھے)، بکائی (بیچی گئی)، لیلام (نیلام)، بہنی مائی (ماں بہن)، سمیں (سی ہی ہیں)، پھسن جھنڑنا، گورو گڑھنا (قبر)، پتھرے (پتھر)، منہ پھرا کے (منہ پھیر کے)، بات چلانا (تذکرہ کرنا)، ڈبائیں (ڈبوئیں)، بھجائیں (بجھیں)، ماٹی (مٹی)، چواؤ (بات پھیلانا)، اس کوچے کے (اس کوچے والے)، مرچ کے (ہزار دشواری سے)، گھرنا (پٹائی کرنا)، لوکا (آگ کا شعلہ) وغیرہ۔

چند ایک مثالیں:

مصر میں جاتری تصویر بنائی ہوگی
گردوں کو مری آہ نے لوکا لگا دیا
ہر بام سے جب آئے لگیں بکھوں پتھرے
پھینس جو جھکائیں تو مرے خون میں ڈبائیں

(باقی آئندہ)

### اردو گھر میں منعقد جلسے میں

# غالب کے متروک کلام پر ڈاکٹر مہر افشاں فاروقی کا خطاب

## ڈاکٹر مہر افشاں فاروقی کا تحقیقی کام غالبیات میں قابل قدر اضافہ ثابت ہوگا --- پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین

نئی دہلی۔ غالب ایسے عظیم شاعر اور نابغۂ روزگار شخصیت ہیں جس پر جتنی بھی گفتگو کی جائے وہ کم ہوگی۔ ڈاکٹر مہر افشاں فاروقی نے غالب کے متروک کلام پر جس عالمانہ اور فکر انگیز انداز میں روشنی ڈالی ہے، یقین ہے کہ وہ اپنے اس تحقیقی پروجیکٹ میں کامیاب و کامراں ہوں گی اور جب یہ کتابی شکل میں منظر عام پر آئے گا تو غالبیات میں قابل قدر اضافہ ثابت ہوگا۔ ان خیالات کا اظہار قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر پروفیسر خواجہ اکرام الدین نے ۱۰ دسمبر کی شام اردو گھر نئی دہلی میں منعقدہ ایک جلسے میں اپنے صدارتی خطاب میں کیا۔ اس جلسے کا اہتمام انجمن ترقی اردو (ہند) اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مشترکہ طور پر کیا گیا تھا۔ جلسے میں ڈاکٹر مہر افشاں فاروقی نے غالب کے متروک کلام پر سیر حاصل گفتگو کی۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے مزید کہا کہ دلی دربار اور مشاعروں میں اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے غالب نے غیر معمولی محنت اور دیدہ ریزی سے کام لیا اور کئی معرکے سر کیے۔ ان کا ایک مقبول و معروف شعر ہے:

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

میں دل ناداں کی ترکیب ایسی ترکیب ہے جسے کوئی شاعری نظر انداز نہیں کر سکتی۔

غالب کا متروک کلام ایسا موضوع ہے جس پر بہت کم خامہ فرسائی کی گئی ہے، اس لحاظ سے یقیناً ڈاکٹر مہر افشاں فاروقی مبارک باد کی مستحق ہیں کہ انھوں نے ایک اہم کام کا بیڑا اٹھایا ہے جس کے لیے انھیں غالب کی تمام تحریروں کا مطالعہ کرنا ضروری ہوگا۔

جلسے کے آغاز میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر رضا حیدر نے ڈاکٹر مہر افشاں فاروقی کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ وہ امریکہ کی ورجینیا یونیورسٹی میں اردو اور ساؤتھ ایشین اسٹڈیز کی استاد ہیں اور ممتاز نقاد شمس الرحمن فاروقی صاحب کی بڑی بیٹی ہیں۔ وہ ایک معروف مترجم اور کالم نگار ہیں، انھوں نے محمد حسن عسکری کی ادبی خدمات پر انتہائی اہم کام کیا ہے۔ انھوں نے اردو شاعری اور دیگر اصناف کا ایک ضخیم انتخاب اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شائع کیا۔ آج کل یہ غالب کے متروک کلام پر تحقیقی کام کر رہی ہیں جس کی کچھ قسطیں پاکستان کے موقر انگریزی روزنامہ 'ڈان' میں شائع ہو چکی ہیں۔ اور اسی موضوع پر آج یہ خطاب بھی فرمائیں گی۔



اسٹیج کا ایک منظر۔ تصویر میں (دائیں سے بائیں) ڈاکٹر مہر افشاں فاروقی، ڈاکٹر اطہر فاروقی، پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین اور ڈاکٹر رضا حیدر (تصویر: جاوید رحمانی)

ڈاکٹر مہر افشاں فاروقی نے اپنے خطاب میں کہا کہ مجھے اس بات کا فخر ہے کہ میں ایک بڑے عالم اور اسکالر کی بیٹی ہوں جنھوں نے مجھے لکھنے پڑھنے نیز غالب پر کام کرنے کے لیے کافی تحریک دی۔ کچھ برس قبل مجھے یہ خیال آیا کہ غالب کے مروج کلام پر تو بہت کام ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے، میں اس میں مزید کیا اضافہ کر پاؤں گی، کیوں نہ ان کے متروک اور مسترد کلام پر کام کیا جائے، کیوں کہ غالب نے تقریباً اپنا نصف کلام مسترد کر دیا تھا۔ جب میں نے اس کام کا آغاز کیا تو اس چیز نے مجھے حیرت و استعجاب میں ڈال دیا کہ غالب کے مروجہ کلام پر تو تشریح و تعبیر کے نام پر بہت کام ہوا ہے لیکن ان کے متروک کلام پر عبدالباری آسی، گیان چند جین اور کمال احمد صدیقی کے علاوہ دوسرے مشاہیر نے اسے مستقل موضوع بنا کر کام نہیں کیا۔ میں نے جب غالب کے متروک کلام کی تلاش و تحقیق شروع کی اور ان کے کلام کے مختلف نسخوں کا موازنہ کیا تو پایا کہ غالب اپنے کلام کے خود ہی بہت سخت قسم کے ایڈیٹر اور نقاد ہیں۔ انھوں نے اپنے اشعار میں برابر حذف و اضافے اور ترمیم سے کام لیا ہے۔ ان کا حساس دل و ذہن ہمیشہ نئے تجربات و احساسات قبول کرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔ 1918 میں بھوپال میں غالب کے کلام کا ایک مخطوطہ ملا جس سے اندازہ ہوا کہ انھوں نے اپنے کچھ کلام کو کیوں مسترد کیا۔ میں نے کئی لوگوں سے بھی اس سلسلے میں دریافت کیا تو مختلف اسباب بتائے گئے، کچھ نے بتایا کہ غالب چوں کہ مشکل پسند واقع ہوئے ہیں اس لیے انھوں نے مشکل پسندی کی وجہ سے کچھ اشعار مسترد کر دیے۔

مہر افشاں فاروقی صاحبہ نے 'گل رعنا' کے دیباچے کے مشمولات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی اور بتایا کہ غالب بہت سنجیدہ اور تجسس قسم کے انسان تھے۔ 'گل رعنا' میں غالب کے اردو اور فارسی دونوں کلام شامل ہیں۔ 'گل رعنا' کے مختلف نسخے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے کچھ کلام مسترد کیا اور کچھ شامل کیا۔ غرض یہ کہ غالب ایسے شاعر ہیں جو ہمیشہ نئے تجربات و احساسات کو قبول کرنے کے لیے تیار رہتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اشعار میں برابر حذف و اضافہ کرتے رہے۔

آخر میں انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے مہمان مقرر اور تمام حاضرین جلسہ کا اظہار تشکر کرتے ہوئے کہا کہ مہر افشاں فاروقی نے جتنی معرکہ آرا گفتگو کی ہے اس سے کم کی ان سے توقع بھی نہیں کی جا سکتی کیوں کہ یہ عہد حاضر کے ممتاز نقاد اور اسکالر شمس الرحمن فاروقی کی صاحب زادی ہیں۔

رپورٹ: محمد عارف خاں

**ادارے کا مضمون نگاروں سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے ___ (ادارہ)**

مدیر: اطہر فاروقی — Editor: Ather Farouqui
شریک مدیر: محمد عارف خاں — Joint Editor: Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں — Printer, Publisher: Shahid Khan
مطبوعہ: ثمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
Printed at: Samar Offset Printing Press, Delhi
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲، راؤز ایوینیو، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
Proprietor: Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue, New Delhi-110002
قیمت (فی شمارہ): تین روپے، سالانہ: ۱۲۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر)
Subscription: (Per Issue): Rs. 3/-, Yearly: 125/-
(Foreign Countries: US $ 8)
http://www.atuh.org, Phones: 23237212, 23237214